© rasailojaraid.com

رسائل و مسائل

اسلام کے مآخذِ قانون اور تعبیر و اجتہاد

سوال:

ڈاکٹر محمصانی، بیروت کے پروفیسر برائے قانون، جو حکومت پاکستان کی دعوت پر اس ملک میں تشریف لائے، انھوں نے اسلامی قانون پر کراچی میں ایک تقریر کی۔ عرب ممالک میں قانونی ارتقا کے تین ادوار، خلافتِ دورِ عثمانی اور جدید زمانے کا تذکرہ کرکے انھوں نے اس پر بحث کی کہ زمانے کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق اسلامی قانون میں تبدیلی ممکن ہے یا نہیں۔ ان کی بحث کا ماحصل یہ تھا کہ اسلامی قانون کے دو حصے ہیں: ایک خالص مذہبی، دوسرے معاشرتی۔ جہاں تک مذہبی قانون کا تعلق ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ کبھی نہ بدلنے والے حقائق پر مشتمل ہے، مثلاً توحید، عبادات وغیرہ۔ معاشرتی قانون دو مآخذ پر مبنی ہے: ایک اجتہاد، اور دوسرے قرآن و حدیث۔ اجتہاد ہر زمانے کی ضروریات کے مطابق بدلتا رہتا ہے اور بدلنا چاہیے۔ احادیث میں سب سے پہلے سوال صحیح و غیر صحیح کا ہے، پھر صحیح احادیث بھی دو قسم کی ہیں: لازمی (OBLIGATERY) اور اختیاری یا سفارشی (PERMISSIVE)۔ پس آخرکار بحث ان احکام کی رہ جاتی ہے جو یا تو قرآن پر یا صحیح لازمی احادیث پر مبنی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا ان دونوں چیزوں کے ———— الفاظ کو نہیں (کیونکہ وہ علی حالہٖ موجود ہیں اور تبدیل نہیں کیے جا سکتے) ———— سوسائٹی کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق نئی تعبیر (INTERPRETATION) دی جا سکتی ہے؟ ڈاکٹر محمصانی نے کہا کہ اس بارے میں فقہاء کے دو گروہ ہیں: (۱) اکثریت کی رائے یہ ہے کہ آیاتِ قرآنی اور احادیثِ صحیح کو نئے معنی نہیں پہنائے جا سکتے (۲) قلیت کا استدلال یہ ہے کہ قانون ایک معاشرتی عمرانی سائنس ہے، لہٰذا جیسے جیسے معاشرت و عمران میں تبدیلی ہوتی جائے قانون کو بھی بدلنا چاہیے، ورنہ وہ زمانے سے اپنا رشتہ توڑ بیٹھے گا۔ اسلام ترقی، تہذیب اور بہبودِ عامہ کا دین ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کی یہ خصوصیات باقی نہیں رہتیں یا اگر ہم اس بارے میں قدامت کا رویہ اختیار کریں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں انھوں نے دو مثالیں بطور نمونہ پیش کیں اور بتایا کہ نہایت کثرت سے انھوں نے ایسی نظیریں اپنی کتاب (PHILOSOPHY OF ISLAMIC JURISPRUDANCE) میں دی ہیں۔

پہلی مثال یہ تھی کہ ایک حدیث صحیح میں گیہوں اور جو اور دقیق اشیا کے پیمانے سے ناپنے کا تذکرہ ہے کیونکہ اس زمانے میں یہی رواج تھا، بعد کو جب وزن کے حساب سے یہ چیزیں فروخت ہونے لگیں تو ایک شخص نے امام ابو یوسف سے استفسار کیا، انھوں نے کہا کہ وہ معاہدہ جو وزن کے پیمانے سے ہوا ہو جائز ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ رواج کے بدل جانے سے احادیث کی تعبیر یا اطلاق میں تبدیلی ہو سکتی ہے۔

دوسری مثال جس کے ذریعے ڈاکٹر صاحب نے استدلال کیا کہ نہ صرف حدیث بلکہ قرآن کے الفاظ کو سوسائٹی کی ضروریات بدل جانے پر نئی تعبیر دی جا سکتی ہے، یہ تھی کہ قرآن میں صدقات کے مصارف میں مؤلفۃ القلوب کا بھی ایک حصّہ رکھا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب نومسلموں کو صدقات میں سے کچھ دینے سے انکار کر دیا تو انھوں نے قرآن کی آیت سند میں پیش کی کہ یہ تو ہمارا حق ہے جو قرآن نے مقرر کیا ہے، آپ اسے کیسے ختم کر سکتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواباً کہا کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت اسلام کمزور تھا، اس لئے اس کی ضرورت تھی، اب اسلام خدا کے فضل سے قوی ہے، لہٰذا اب ضرورت باقی نہیں رہی، پس میں تم کو یہ حصہ نہیں دوں گا۔

اس قسم کی مثالوں میں ایک معاملہ قطع ید کا بھی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو جس نے بیت المال میں چوری کی تھی، اور دوسرے کو جس نے اپنے آقا کا مال چرایا تھا، قطع ید کی سزا نہیں دی، اس دلیل سے کہ اُن کا اس مال میں حصہ تھا۔ اسی طرح قحط کے زمانے میں آپ نے اس سزا کو موقوف کر دیا۔

ڈاکٹر مہسانی نے دوران تقریر میں قانون کے چار ماخذ بتائے: قرآن[۱]، حدیث[۲]، اجماع[۳] اور قیاس[۴]۔

میرے ذہن میں ان کی تقریر کے بعد مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں:۔

(۱) متذکرہ بالا چار ماخذ کے علاوہ اور کونسی چیزیں ماخذِ قانون ہیں؟ کیا عقل، دوسرے ممالک کے رواج، عرف، عادت، تعامل، سنن، منسوخ، عموم البلوی، صاحب امر کی ہدایات، معاہدات وغیرہ کو ماخذِ قانون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ فقہاء نے ان تمام کو ماٰخذِ قانون کی فہرست میں تو نہیں لکھا لیکن دورانِ بحث میں ان تمام کا تذکرہ ماٰخذِ قانون کی حیثیت سے کیا ہے، اور خلفائے راشدین کے عمل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، مثلاً حضرت عمرؓ نے زراعت و مالیاتی قانون میں شامی، مصری اور ایرانی قانون کی پیروی کی، رجسٹر اور حساب رکھنے کے طریقے ان سے اخذ کئے، غیر اسلامی حکومت کے تاجروں پر اتنا محصول عائد کیا جتنا کہ ان کی حکومتیں مسلمان تاجروں پر عائد کرتی تھیں ——— تو کیا اس سے یہ اصول مستنبط نہیں ہوتا کہ قرآن و حدیث کی مقرر کردہ حدود کے اندر دوسرے ممالک کے قانون سے استفادہ، اور نہ صرف استفادہ بلکہ اس کو بعینہٖ اخذ کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عثمانؓ کا عمل تو کم از کم یہی ثابت کرتا ہے۔ آج اگر اسلامی حکومت وجود میں آئے تو کیا وہ مغربی ممالک کی سیاسی، معاشرتی، ادبی، اقتصادی اور سائنٹفک ترقیات کو نظر انداز کر کے نئے سرے سے اپنی عمارت کی بنیاد رکھے گی، محض اس غلط تصور اور تعصب کی بنا پر کہ جو کچھ مغرب سے آیا ہے وہ غلط ہے؟ کیا یہ تصور بالکل اسی طرح غلط نہیں کہ جو کچھ مغرب سے آیا وہی صحیح ہے؟ اگر یہ ایک انتہا ہے تو وہ دوسری انتہا ہے۔ پھر کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ مغرب کی جو باتیں شریعت کے مزاج سے مطابقت رکھتی ہیں ان کو بعینہٖ، یا ان میں ادل بدل کر کے، لے لیا جائے؟

(۲) بزرگانِ سلف اور ائمہ نے جو اجتہادات کئے، اگر ان مسائل میں کوئی تبدیلی و اضافہ ممکن نہیں تو ان کو اختیار کر لیا جائے، ورنہ زمانہ کی بدلی ہوئی ضروریات کے مطابق ان کا اجتہاد کچھ مسائل میں اگر سازگار نہ رہا ہو تو آج کے فقہاء از سرِ نو اجتہاد کریں جو دورِ حاضر کی ضروریات کے مطابق ہو۔

(۳) کیا قرآن و حدیث کے الفاظ کو تبدیل کئے بغیر سوسائٹی اور معاشرت کی بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق ان دو ماٰخذ کے الفاظ کی تعبیر میں تبدیلی، اضافہ یا کمی کی جا سکتی ہے؟ مثلاً جیسا کہ مؤلفۃ القلوب کی مثال سے ثابت ہوتا ہے اس قسم کے مسائل آج بھی پیدا ہو سکتے ہیں، اگرچہ ان کی تعداد کم ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں ان احکام و مسائل میں جو نصوصِ قرآنیہ یا احادیثِ لازمی پر مبنی ہیں، زمانے کی ضروریات اور ان احکام کی علت بدل جانے پر ایسے نئے احکام مستنبط کئے جا سکتے ہیں جو اسلام کی روح کے مطابق ہوں۔ آخر فقہاء ہی کا یہ متفق علیہ مسلک ہے کہ ہر حکم کی ایک علت ہے اور فلاحِ عامہ بہر حال مقدم ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثلاً زکوٰۃ کا حکم قرآن شریف میں مذکور ہے لیکن زکوٰۃ کی کوئی شرح مذکور نہیں۔ احادیث میں جو شرح مذکور ہے وہ اس زمانے کی ضروریات کے مطابق تھی۔ اب ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا زکوٰۃ کو ملک کے عام ریونیو یا ٹیکس کی حیثیت حاصل ہے (جبکہ حکومت اسلامی ہو)؟ اگر ہے تو دوسرا سوال شرح کا ہے کہ آج کے مالیاتی تقاضے قدیم شرح سے پورے نہیں ہو سکتے۔

ان سوالات سے ہٹ کر ایک دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن آیا ایک کوڈ ہے یا نہیں؟ بظاہر قانونی اعتبار سے قرآن ایک ترمیمی ضابطہ (AMENDING CODE) کی حیثیت رکھتا ہے جس نے بہت سے اُن رواجوں اور دستوروں کو قائم رکھا جو عرب میں جاری تھے، سب میں انقلاب پیدا نہیں کیا۔ لہذا یہ کہنا کہ قرآن ایک مکمل کوڈ ہے، کس حد تک درست یا غلط ہے؟

جواب:

آپ نے جن مسائل کے متعلق اظہارِ رائے کی فرمائش کی ہے میں اُن پر "حقوق الزوجین"، "سود" اور "اسلامی قانون" میں ایک حد تک مفصل بحث کر چکا ہوں۔ آپ ان کتابوں کو ملاحظہ فرمائیں کہ کون سے پہلو تشنہ رہ گئے ہیں جن پر روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ باقی رہے آپ کے سوالات تو ان کے متعلق مختصر طور پر اپنے خیالات عرض کئے دیتا ہوں۔

(۱) علت، عرف، عادت، تعامل، سنن القبل، عمومِ بلویٰ، صاحبِ امر کی ہدایات، معاہدات اور ممالکِ غیر کے رواجات بجائے خود ماخذِ قانون نہیں بن سکتے، بلکہ یہ سب اجماع اور قیاس کے ضمن ہی میں داخل ہوں گے۔ اور خود اجماع و قیاس بھی اصل ماخذِ قانون نہیں ہیں بلکہ قرآن و سنت کے تابع ہیں۔ اجماع ہو یا قیاس، دونوں صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتے ہیں جبکہ استدلال کی بنا قرآن و سنت کے امر و نہی یا اباحت پر رکھی گئی ہو۔ امر و نہی کے معاملے میں قیاس و اجتہاد کو لامحالہ نصوص کا پابند ہونا پڑے گا، اور جس قیاس و اجتہاد پر اجماع ہو جائے، یا جمہور متفق ہو جائیں وہی ملک کا قانون بن جائے گا۔ رہے مباحات تو ان کے دائرے میں ہم بیرونی ممالک کے طریقوں سے بھی استفادہ کر سکتے ہیں، اپنے ملک کے عرف و رواج کو بھی برقرار رکھ سکتے ہیں، عمومِ بلویٰ کا لحاظ بھی کر سکتے ہیں اور دوسرے ماخذ کی طرف بھی رجوع کر سکتے ہیں، بشرطیکہ جو قوانین بھی ہم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنائیں وہ بحیثیت مجموعی اسلامی زندگی سے مطابقت رکھتے ہوں۔

(۲) بزرگانِ سلف کے اجتہادات نہ تو اٹل قانون قرار دیئے جاسکتے ہیں، اور نہ سب کے سب دریابرد کردینے کے لائق ہیں۔ صحیح اور معتدل مسلک یہی ہے کہ ان میں ردو بدل کیا جاسکتا ہے، مگر صرف بقدرِ ضرورت اور اس شرط کے ساتھ کہ جو ردو بدل بھی کیا جائے دلائلِ شرعیہ کی بنا پر کیا جائے۔ نیز نئی ضروریات کے لئے نیا اجتہاد بھی کیا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے بھی شرط یہی ہے کہ اس اجتہاد کا ماخذ کتاب اللہ و سنتِ رسول اللہ ہو اور یہ اجتہاد وہ لوگ کریں جو علم و بصیرت کے ساتھ جذبۂ اتباع و اطاعت بھی رکھتے ہوں۔ رہے وہ لوگ جو زمانۂ جدید کے رجحانات سے مغلوب ہو کر دین میں تحریف کرنا چاہتے ہیں، تو ان کے حقِ اجتہاد کو تسلیم کرنے سے ہمیں قطعی انکار ہے۔

(۳) اصولی طور پر تو یہ بات صحیح ہے کہ احکامِ شرعیہ کے اجرا و نفاذ میں حالات کا لحاظ کرنا ضروری ہے، اور یہ بھی صحیح ہے کہ نصوص کے الفاظ کی تعبیر میں اختلاف کی کافی گنجائش ہے، لیکن بحث اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اجمال کو چھوڑ کر ہم تفصیلات کی طرف آتے ہیں۔ یہاں متعدد تفصیلات ہمارے سامنے ایسی آتی ہیں جن میں تغیر پسند اصحاب کی تجاویز ہم کو حدِ جواز سے متجاوز نظر آتی ہیں۔ مثلاً یہی زکوٰۃ کا معاملہ ہے جسے آپ نے مثال میں پیش کیا ہے۔ ہمارے نزدیک زکوٰۃ کو ملک کے عام ریونیو یا ٹیکس کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ یہ ایک مالی عبادت ہے، اور اس کے لئے شارع نے جو نصاب، شرح اور مصارف مقرر کئے ہیں ان میں ردو بدل نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ جن چیزوں پر زکوٰۃ عائد کی گئی ہے ان میں بھی کمی بیشی ممکن نہیں ہے، الا یہ کہ کسی چیز کو شارع کی مقرر کردہ اشیاء پر قیاس کر لیا جائے۔ رہیں حکومت کی ضروریات تو ہم اس بات کے قائل ہیں کہ ایک اسلامی حکومت جمہور کی خدمت کے جن جن کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے ان کی انجام دہی کے لئے وہ جمہور پر ٹیکس لگا کر اپنے مصارف پورے کر سکتی ہے، بشرطیکہ ٹیکس انصاف کے ساتھ لگائے جائیں اور ایمانداری کے ساتھ ان کو خرچ کیا جائے۔

(۴) آپ کا آخری سوال کہ قرآن ایک "کوڈ" ہے یا نہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کوڈ نہیں بلکہ کتابِ ہدایت ہے جس میں سوسائٹی کی اصلاح و تنظیم کے لئے قانونی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔ محض اس لئے کہ اس میں

© rasailojaraid.com